یکم جون ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲۱

اس شمارے میں

اداریہ

انجمن کی مجلس عام کا جلسہ

انجمن کی مجلس عام کا سالانہ جلسہ جمعہ ۲۸ مئی کو ساڑھے گیارہ بجے صبح انجمن کے دفتر سلطان جہاں منزل میں منعقد ہوا۔ اس سے کچھ دیر پہلے انجمن کی ادبی مجلس اور مالی مجلس کے جلسے ہو چکے تھے جن کی کارروائی بھی مجلس عام میں پیش ہوئی۔ اس جلسے میں حسب ذیل خواتین و حضرات شریک تھے۔

ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو (صدر)، ڈاکٹر عبدالعلیم، بیگم انیس قدوائی، مفتی عتیق الرحمٰن، مالک رام، سجاد ظہیر، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر گیان چند، حیات اللہ انصاری، بیگم سلطانہ حیات، حمیدہ سلطان، عابد علی خاں، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر مختارالدین احمد، ڈاکٹر حسینی شاہد، سری نواس لاہوٹی، پروفیسر آل احمد سرور (جنرل سکریٹری)۔

اس جلسے میں جو فیصلے کئے گئے ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) انجمن کا آغاز ۱۹۰۳ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک شعبے کی حیثیت سے ہوا۔ ۱۹۰۳ء سے وہ ایک آزاد ادارہ ہے۔ ۱۹۷۳ء میں انجمن کی عمر کے ستر سال پورے ہو جائیں گے اور چونکہ انجمن کی نئی تشکیل آزاد ہندوستان میں ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی اس لئے ۱۹۷۳ء میں اسے بھی پچیس برس ہو جائیں گے مجلس عام نے طے کیا ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں انجمن کی جوبلی بڑے پیمانے پر منائی جائے اور یہ تقریب اردو گھر کی نئی عمارت میں ہو جس کے اس وقت تک مکمل ہو جانے کی پوری امید ہے۔ جنرل سکریٹری پروگرام کا خاکہ بنا کر اگلے جلسے میں پیش کریں گے۔

(۲) انجمن کے اس مطالبے کا کہ اتر پردیش، بہار اور دہلی میں اردو کو دفعہ ۳۴۷ کے تحت سرکاری زبان قرار دیا جائے ابھی تک صدر کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ انجمن اب یہ محسوس کرتی ہے کہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق جن ریاستوں میں اردو بولنے والوں کی آبادی بیس لاکھ سے زیادہ ہے وہاں اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے اس لئے انجمن اتر پردیش، بہار، آندھرا، مہاراشٹر اور میسور میں آبادی کی وجہ سے اور دہلی میں اس لئے کہ دہلی اردو کی جنم بھومی ہے اور وہاں اردو کا چلن ہے۔ وہاں بھی اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والے معقول تعداد میں ہیں، ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے تمام سہولتیں اور سرکاری کاموں میں حسب ضرورت

استعمال کرنے کے لئے یقین دہانی چاہتی ہے۔ انجمن نے ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی ہے کہ وہ صدر اور وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک مفصل میمورنڈم تیار کرے جس میں ضروری اعداد و شمار بھی ہوں۔ یہ کمیٹی اپنا مسودہ شروع جولائی میں مجلس عاملہ کے سامنے پیش کرے گی۔ اس کے بعد مجلس عام کے تمام ممبران اشخاص کے اضافے کے ساتھ جنھیں صدر ضروری سمجھیں جلد سے جلد صدر اور وزیر اعظم سے ملیں گے اور انجمن کا یہ مطالبہ ان کے سامنے پیش کریں گے اور پھر جلد سے جلد فیصلے کے لئے اصرار کریں گے (پوری قرارداد علیحدہ دی جا رہی ہے)

(۳) ۲۱ مئی کو اردو گھر کی تعمیر کے لئے موصوفہ سنگ رکھوا دیے جائیں گے اور امید ہے کہ جولائی سے تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔ اب تک ڈیڑھ لاکھ کا انجمن کی عمارت فنڈ سے اور چار لاکھ حکومت ہند کی امداد کے ذریعہ، انتظام ہو چکا ہے۔ چونکہ اخراجات کا تخمینہ نو لاکھ کے قریب ہے۔ اس لئے ساڑھے تین لاکھ کی رقم عطیات اور عام چندے سے فراہم کی جائے گی۔ انجمن کی مجلس عام نے مختلف ریاستوں میں دورہ کرنے اور مختلف قومی اداروں سے امداد لینے کے لئے وفود کی تشکیل کر دی ہے۔ نیز بمبئی، دلی اور حیدرآباد میں تہذیبی اجتماعات کے ذریعہ سے سرمایہ فراہم کرنا ہے جس کے لئے کنوینر مقرر کر دیے ہیں۔ بمبئی کے لئے جناب شہاب الدین دسنوی اور حیدرآباد کے لئے جناب عابد علی خاں کنوینر مقرر کئے گئے ہیں، دلی کے لئے کنوینر کا اعلان صدر انجمن بعد میں کریں گے۔

(۴) اس وقت مختلف ریاستوں میں اردو کی جو درسی کتابیں رائج ہیں وہ بہت ناقص ہیں۔ ان کی خامیوں کو دور کرانے اور معیاری درسی کتب کے رائج کرانے کے لئے طریقۂ کار پر غور کرنے کے لئے بیگم انیس قدوائی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، حیات اللہ انصاری، شہاب الدین دسنوی، عابد علی خاں، سری نواس لاہوٹی اور جنرل سکریٹری پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ یہ کمیٹی ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لئے کتابوں کے سلسلے میں سفارشات کرے گی۔ کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے لئے کتابوں پر بعد میں غور کیا جائے گا۔

(۵) انجمن نے طے کیا ہے کہ ہماری زبان ہفتہ وار اور اردو ادب سہ ماہی کے علاوہ ایک رسالہ 'اجتماعی علوم' نکالا جائے جس میں تمام اجتماعی علوم پر مضامین ہوں۔ اس کے لئے خاکہ بنانے اور رسالے کے نکالنے کے لئے تمام امور پر غور کرنے کے لئے ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کی سفارشات ادبی مجلس کے سامنے اگلے جلسے میں پیش ہوں گی۔ کمیٹی ڈاکٹر علی محمد خسرو (دلی یونی ورسٹی)، پروفیسر رشید الدین (نہرو یونی ورسٹی)، پروفیسر انوار الحق حقی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، ڈاکٹر یوسف حسین خاں (انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈی شملہ)، پروفیسر مونس رضا (نہرو یونی ورسٹی)، ڈاکٹر محمد رئیس (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور جنرل سکریٹری پر مشتمل ہوگی۔

(۶) اردو رسم الخط کی اصلاح کے سلسلے میں انجمن نے عرصہ ہوا ایک سوال نامہ جاری کیا تھا جس کے اسی کے قریب جوابات موصول ہوئے تھے۔ ادبی مجلس کی یہ سفارش مجلس عام نے منظور کر لی ہے کہ اس سوالنامے کے جوابات کو ایک کتابچے کی صورت میں شائع کیا جائے اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں اس پر ایک مقدمہ لکھیں اور اس مواد کو کتابی صورت میں ترتیب دیں۔

سرکاری زبان کے متعلق قرارداد

مجلس عام کا یہ جلسہ محسوس کرتا ہے کہ اردو زبان کی تعلیم اور چلن کی اس وقت تک حفاظت نہیں ہو سکتی جب تک انجمن کا یہ مطالبہ کہ ان ریاستوں میں جہاں اردو جاننے والوں کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہے، اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے منظور نہیں ہوتا۔ انجمن نے ۱۹۵۲ء میں ایک دستخطی مہم چلائی تھی اور اس کے بعد ایک وفد کے ذریعہ جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین تھے، صدر جمہوریہ کو توجہ دلائی تھی کہ وہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اپنا اختیار خصوصی استعمال کریں۔ اس کے بعد ۱۹۵۸ء میں انجمن کا ایک اور وفد کرنل بشیر حسین زیدی کی سربراہی میں صدر جمہوریہ سے ملا اور انجمن کا مطالبہ دوبارہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد سے بہت سے قومی اداروں، ادیبوں، قومی کارکنوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں نے مرکزی حکومت کو اس طرف توجہ دلائی۔ انجمن کے کئی وفد اس کے بعد بھی وزیر اعظم، وزیر تعلیم اور دوسرے ذمہ دار حضرات سے ملے، مگر ابھی تک حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی مثبت اقدام نہیں کیا گیا ہے۔

حالیہ انتخابات میں تمام سیکولر پارٹیوں نے اردو کے ساتھ انصاف پر زور دیا اور شریمتی اندرا گاندھی نے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

احمد ابراہیم علوی

اردو کی ایک نادر قلمی لغت

مولانا عبدالباری آسی الدنی (پیدائش ۱۸۹۳ء، وفات ۱۰ر جنوری ۱۹۴۶ء) کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں انھوں نے علم و ادب کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اگرچہ اس کے صلہ میں ان کو وہ شہرت و ناموری نصیب نہ ہوئی جس کے کہ وہ بجا طور پر مستحق تھے پھر بھی ان کی علمی ادبی خدمات سے چشم پوشی ایک ایسا ادبی جرم ہے جس کی پاداش ممکن نہیں۔ انھوں نے نثر و نظم دونوں ہی میں اپنی جولانی طبع کے جوہر کھلا کر ادب اردو کی آبیاری کی۔ شاعری میں تو اس حد کمال کو پہنچے کہ اپنے عہد کے اساتذہ میں شمار ہونے لگا اور آج ان کا شمار مستند شعراء کی فہرست میں بخوبی ہو سکتا ہے ان کے صدہا اشعار زبان زد عام و خاص ہیں جیسے۔

دل ایسی چیز کو ٹھکرا دیا نخوت پرستوں نے
جبھی مجبور ہو کر ہم نے آئین وفا بدلا

دن رات کے صدمے سہنے سے دل بجھ گیا جی چھوٹ گیا
ایک کاوش تھا آنسو تھا تیرے وہ بھی چھوٹ گیا

مولانا کو شاعری ورثے میں ملی تھی ان کے والد شیخ حسام الدین حسام بھی شاعر تھے اور غالب کے شاگرد وطن میں سے تھے۔ اس کی تصدیق آسی مرحوم کے خود نوشت حالات اور مالک رام سے ہوتی ہے آسی مرحوم نے اس طرح لکھا ہے۔

"میرا نام عبد الباری تخلص آسی ابن خلیفہ منشی حسام الدین احمد حسام تلمیذ مرزا غالب ابن مولوی شیخ خدا بخش عاجز ابن عبد الحکیم عاشق عرف شمشن معاصر ہم جلیس میر تقی میر مرحوم سا الدن ضلع میرٹھ تحصیل ہاپڑ مولد ہے ۱۸۹۳ء قصبہ مذکور میں جو شہر خاک کی ایک قدیم بستی ہے پیدا ہوا۔"

مولانا آسی کو شعر و شاعری کے علاوہ ناول اور تذکرہ نویسی سے بھی شغف تھا کئی ہی ناولیں ان کی یادگار ہیں اور تذکروں میں تذکرہ "معرکہ سخن" اور تذکرہ "خندۂ گل" خصوصاً قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ انھوں نے علم النفس پر بھی سائنس کے "عجائبات" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی۔ شرح دیوان غالب اور مرزا غالب کی شوخیاں "غالبیات" میں اضافہ ہے۔

اتنا ہی نہیں کہ مولانا آسی محض منفرد اور ممتاز ادیب اور شاعر ہوں بلکہ وہ ایک کامیاب صحافی بھی تھے انھوں نے "دور آزاد" اور "مخزن" جیسے رسائل کو بھی بخوبی ترتیب دیا۔ واضح رہے کہ "مخزن" وہ رسالہ رہا ہے جس کا چرچا اس کی شگفتہ تحریروں اور بے لاگ تبصروں و چبھتی تنقیدوں کے سبب لکھنؤ کی ادبی محفلوں میں برسوں رہا ہے اور رہے گا۔ مولانا "نگار" "منتظر" "نظر" مرقع جیسے شہرت یافتہ رسائل کے مستقل قلمی معاون تھے اس کے علاوہ مولانا ادبی چشمکوں کے لئے لکھنؤ اور دور دراز کے ادبی مراکز میں مشہور تھے ان کے معاصرین میں جوش ملیح آبادی، اثر لکھنوی، یگانہ چنگیزی، بیخود موہانی، ناطق لکھنوی اور آرزو لکھنوی جیسے مسلم الثبوت اور

علی عباس امید

آگہی کے ویرانے

چاند نے
وادیوں کو دھونا چاہا
تاکہ پر نور بدن
وادیِ احساس کو روشن کر دے

چشمۂ صبح کی جانب
وہ بڑھا جیسے ہی
مرمریں کرنوں پہ
سفاک اندھیروں کا ہجوم
حملہ آور ہوا
قزاقِ اجل کی مانند

ٹوٹ کر چاند گرا غار سیہ میں، آنکھیں
بجھ گئیں محفل انجم کی ایک دو شمعیں
سسکیاں، مہر بہ لب پہلے تو کچھ دیر جلیں
تاب باقی نہ رہی جب تو سیہ پوش ہوئیں

اور پھر چار طرف
رات کا آنچل پھیلا

ایسا بھی اتفاق مجھے بارہا ہوا
ان سے ملا انھیں کا پتہ پوچھتا ہوا

اپنی حالت کا خود احساس نہیں ہے مجھ کو
میں نے اوروں سے سنا ہے کہ پریشاں ہوں میں

نہ خوشی کی خوشی نہ رنج کا ہوش
زندگی موت سے ہے دوش بدوش

مستند شعراء شامل تھے مولانا کے شاگردوں کا بھی ایک وسیع حلقہ تھا جن میں وہ گھرے رہا کرتے تھے ان شاگردوں میں شوکت تھانوی، امین سلونوی اور عمر انصاری قابل ذکر ہیں۔

قابل ستائش بات یہ ہے کہ مولانا عبدالباری آسی اردو غزل کے گیسوئے دراز سلجھانے میں خود نہ الجھ گئے بلکہ انھوں نے بڑی محنت اور لگن و تندہی سے تذکیر و تانیث پر لغت تیار کرنے کا بڑا صبر آزما اور وقت طلب کام کر ڈالا۔ اس ضمن میں مولانا کی خدمات تحسین و ستائش کی منزلوں سے کہیں دور ہیں۔ انھوں نے وہ کام کیا جو ہنوز کئی افراد مل کر اور اچھے خاصے ادارے بھی اجتماعی طور سے نہ کر سکے۔ تذکیر و تانیث کی تمیز کی اہمیت کو مولانا نے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا وہ ایک جگہ اس طرح رقمطراز ہیں۔

"بول چال میں تذکیر و تانیث اسماء کا لحاظ ضروری ہے بلکہ کسی بولنے والے کی گفتگو کی صحت کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ وہ اسماء کی تذکیر و تانیث کو صحیح بول سکے ورنہ تحریر و تقریر میں کیسی ہی لوچ دار زبان ہو کیسے ہی اعلیٰ و ارفع مطلب اور دلچسپ محاورے استعمال کئے گئے ہوں کتنی ہی تشبیہیں اور استعارے اس میں شامل ہوں اگر اس چیز کا لحاظ نہیں تو اس کا لحاظ بھی نہیں کیا جائے گا اور بے تکلف اس کو غلط کہہ دیا جائے گا۔"

ظاہر ہی ہے جو شخص تذکیر و تانیث کے صحیح استعمال کو اس قدر ضروری تصور کرتا ہو وہی اس کی اصلاح کے لئے کچھ کر سکتا ہے مولانا نے اسی سبب ایک ایسی لغت تیار کرنے کا عزم کیا جس میں کہ محض تذکیر و تانیث کا ذکر ہو اور دلائل مستند اساتذہ کے اشعار سے پیش کی جائیں یہ کام اگرچہ نیا تو نہیں تھا مگر بہت مشکل اور ایک آدمی کے بس کا ہرگز نہ تھا مگر آسی مرحوم بلا کے ذہین اور مستقل مزاج واقع ہوئے تھے وہ اس کام میں لنگ لپیٹ گئے اور ختم کر کے ہی دم لیا یہ کام انھوں نے گیارہ سال میں پورا کیا جیسا کہ ان کی تحریر سے عیاں ہے انھوں نے اپنی لغت کے آخر میں اپنے دستخطوں کے ساتھ لکھا ہے۔

"یہ کتاب سنہ ۱۹۳۲ء میں لکھنا شروع کی اور اپریل سنہ ۱۹۴۳ء میں ۲۰ر تاریخ کو تمام کی چونکہ درمیان میں متعدد بار اس کی تدوین ملتوی رہی لہٰذا اتنا زمانہ ہو گیا۔" عبدالباری آسی بقلم خود"

یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ یہ اپنے قسم کی کوئی پہلی کتاب نہ تھی کیونکہ اس سے قبل بھی تذکیر و تانیث پر کام ہو چکا تھا مگر وہ سیر حاصل نہ تھا "مفید الشعراء" "ارمغان" و دیگر "معین الشعراء" ایسی کتابیں تھیں جن میں تذکیر و تانیث سے بحث کی گئی تھی مگر ان میں سے کسی کو بھی مستند کتاب کی حیثیت اس لئے نہ دی جا سکتی تھی کہ کوئی نامکمل، کوئی مختصر اور کوئی غیر مستند اسناد سے بھر پور تھی "نور اللغات" "فرہنگ آصفیہ" اور "امیر اللغات" میں تذکیر و تانیث کا ذکر ہے مگر اس پر مفصل اور مدلل بحث ان کے دائرۂ اختیار سے اس لئے باہر تھی کہ ان کا کام الفاظ کے معنی بتانا تھا ان کی ساخت اور طریقۂ استعمال پر زور دینا کم۔ لہٰذا مولانا آسی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اپنے ہی قول کے مطابق اس وقت تک اس موضوع پر جتنی کتابیں مہیا ہو سکی تھیں ان کو بغور دیکھا اور سب ہی میں کچھ نہ کچھ کمی پائی۔ ظاہر ہی ہے جو شخص اتنی چھان بین کے بعد کام شروع کرے گا وہ بڑی ہشیاری اور دانشمندی سے شروع کرے گا مولانا آسی نے ایسا ہی کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اس کام کو جس خلوص، لگن اور اعلیٰ ظرفی سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

مولانا نے اس کام کو نہایت باقاعدگی سے کرنے کے لئے اپنا مسطر کھینچایا جو اس طرح ہے۔

الفاظ / زبان / وزن / جمع / تذکیر یا تانیث / معنی / شعر مستند / نام مصنف۔

سب سے پہلے خانے میں لفظ اس کے بعد دوسرے خانے میں اس کی ذات یعنی کس زبان کا لفظ ہے تیسرے خانے میں لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرنے کے لئے اس کے ہم وزن لفظ ہے چوتھے خانے میں اس کی جمع پانچویں میں یہ بتایا گیا ہے کہ مونث ہے یا مذکر۔ چھٹے خانے میں اس کے معنی لکھے ہیں ساتویں خانے میں جو سب سے اہم خانہ ہے لفظ کو مذکر یا مونث جس سند کی بنا پر بتایا گیا ہے وہ سند یعنی شعر لکھا ہے اور اس میں بڑی جانفشانی، ایمانداری اور غیر جانبداری سے کام لیا گیا ہے کسی بھی لفظ کے بارے میں اٹکل سے کچھ نہیں کہا گیا ہے اکثر و بیشتر کئی کئی اساتذہ کے کئی کئی اشعار ہیں اس سے بڑھ کر مفید بات جو ہے وہ یہ ہے کہ اس میں دوسری لغات پر بحث بھی ہے جو بہت ہی مدلل، واضح اور غیر جانبدارانہ ہے جیسے "پیچ" کے بارے میں اس کو مونث لکھ کر سند کے طور پر رشک کا شعر پیش کیا گیا ہے ع

ہو اس مردم اقلیم پنجم بھی اڑا لائے
یہ پیچ بھی انھوں نے وسعت اقلیم پنجم سے

اب "فائدہ" کے تحت لکھا ہے۔ "مؤلف نور اللغات مرحوم نے بغیر سند کے اس لفظ کو مذکر لکھا ہے اور یہ غلطی ہے جلال مرحوم نے اپنے رسالہ میں مونث لکھا ہے کوئی سند نہیں دی۔"

اس طرح مولانا آسی نے اپنے پیش نظر اسی موضوع کی تمام لغات کے عیوب و نقائص بھی پیش کر دئے ہیں اور دلائل کے ساتھ بحث بھی کی ہے پھر اپنی رائے بھی دے دی ہے اس طرح قاری

سامنے تمام حقائق آجاتے ہیں اب یہ اس کا کام ہے وہ جس کو چاہے صحیح یا غلط سمجھے بہر حال ایک ادنیٰ قاری کو بھی اپنی رائے قائم کرنے کے لیے بہت کافی مواد مل جاتا ہے صفحہ کے آٹھویں خانے میں اپنی بات کو بر وزن اور صادق ثابت کرنے کے لیے جس شاعر کا شعر سند کے طور پر پیش کیا ہے اس کا تخلص ہے اور اس میں بھی ایمانداری سے کام لیا ہے کہیں بھی غلط تخلص نہیں ڈالا ہے ایک کے شعر کو دوسرے کے شعر سے یا دوسرے کے نام یا تخلص سے منسوب نہیں کیا ہے جب کسی کا نام نہ معلوم ہوا جگہ خالی چھوڑ دی ہے یا پھر بہت ایمانداری سے لکھ دیا کہ نام معلوم نہیں یا پھر جہاں سے شعر نقل کیا ہے اس کتاب یا رسالے کا نام لکھ دیا ہے زیادہ تر "اودھ پنچ" کا نام ہے۔

چونکہ اردو کی جن لغات میں نور اللغات کو ہی مستند تصور کیا جاتا ہے اور تذکیر و تانیث کے سلسلے میں مولانا کے عہد تک جلال کی مفید الشعراء اور معین الشعراء مولفہ آفاق بنارسی مقبول تھی اسی لئے مولانا نے انھیں لغات کو عموماً پیش نظر رکھا ہے اور انھیں کی اغلاط کی طرف جابجا اشارہ کیا ہے اس کا مقصد یقیناً یہی تھا کہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور غلط طریقے رائج نہ ہو پائیں اس سلسلے میں لفظ "فانوس" کے بارے میں مولانا نے جو اپنی لغت میں لکھا ہے وہ قابل مطالعہ ہے اور اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا نے کس قدر جانفشانی ایمانداری اور غیر جانبداری سے کام لیا ہے۔ مولانا نے "فانوس" کو مذکر اور مونث دونوں لکھا ہے پہلے سند میں ہجر اور پھر میر شکوہ آبادی کا شعر پیش کیا ہے۔ ہجر نے اس کو مذکر کے طور پر استعمال کیا ہے جبکہ میر شکوہ آبادی نے مونث کی طرح برتا ہے ہجر کا شعر ہے ؎

طبیعت ہجر کی روشن ہوئی جب وصف ابرو سے
ہوا فانوس مصرع مہر نو شمع مضموں کا

میر کا شعر ہے ؎

فانوس مگر شیشہ گردوں کی بنا ہیں
روشن ہیں مہ و مہر کی ظلمت کی برابر

اس کے بعد خود مولانا احسن نے "انتباہ" کے تحت لکھا ہے۔ "مولف نور اللغات نے لکھا ہے کہ فانوس اب بالاتفاق مذکر ہے برق لکھنوی نے خلاف جمہور مونث کہا ہے اور یہ تتبع ہے حضرت جلیل کی اس تحریر کا جو انھوں نے اپنے تذکیر و تانیث کے رسالہ میں درج فرمایا ہے کہ مذکر ہے اور لطف یہ کہ مذکر لکھ کر سند میں ہجر کا یہ شعر جو لکھا جائے گا درج کیا ہے شعر یہ ہے ؎

کیا تجلی میں کہوں اس ساعد پر نور کی
آستیں پایا ہے فانوس شمع طور کی

صاحب رسالہ "ارمغان" نے بھی صرف مذکر لکھا ہے اور حافظ جلیل صاحب کے شاگرد میاں آفاق بنارسی مرحوم نے بھی استاد کی تقلید فرماتے ہوئے "معین الشعراء" میں مذکر ہی قرار دیا ہے اور ذیل میں ایک نوٹ دیا ہے کہ برق نے خلاف جمہور مونث کہا ہے اور یہی شعر لکھ دیا ہے جلال مرحوم نے سند میں یہی شعر لکھتے ہوئے صرف مونث لکھا ہے مولف فرہنگ آصفیہ نے صرف مذکر قرار دیا ہے حالانکہ یہ سب باتیں تحقیق کے خلاف ہیں۔ میں خود مذکر بولتا ہوں لیکن اسے مختلف فیہ قرار دیتا ہوں۔ تذکیر کے شعر لکھنا فضول ہیں اس لئے کہ زیادہ تر تذکیر کے قائل ہی ہیں مگر تانیث کے متعلق کچھ لکھنا ہے جلال مرحوم نے کمال ہی کیا ہے کہ برق کا ایسا شعر جس سے تانیث ثابت ہی نہیں ہوتی اس میں صرف آستین کی تانیث کا ثبوت دیا ہے اگر ایسے ہی شعروں پر تانیث کا دارومدار ہے تو ہجر کا بھی ایک شعر ایسا ہی سن لیجیے جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ وہ بھی تانیث ہی کے قائل تھے۔

داغ سوزان محبت سے ضیا قلب سے
شمع جب روشن ہوئی فانوس نما ہو گئی

یعنی خود شمع بصورت فانوس ہو گئی اور اگر میرا یہ قیاس درست

وفا ملک پوری

غزل

ترا صید نگہ ناز وہی ہے کہ جو تھا
آج بھی ظلم کا انداز وہی ہے کہ جو تھا

صاف کہتی ہے یہی وقت کے چہرے کی خراش
ناخن جبر کا انداز وہی ہے کہ جو تھا

طائر وقت ہے صدیوں سے رہین پرواز
آج بھی عالم پرواز وہی ہے کہ جو تھا

ہائے کس عالم حیرت میں ہوا تھا گھائل
دل کا اک زخم پہ سو ناز وہی ہے کہ جو تھا

موسمِ عقل نے کیا کیا نہ طریقے بدلے
کاوشِ عشق کا انداز وہی ہے کہ جو تھا

اب کوئی اپنا نوا ساز نہیں ہے ورنہ
اثر شعلہ آواز وہی ہے کہ جو تھا

نہیں تو یہ شعر تانیث کی سند میں صاف ہے مگر مجرّح کے یہاں بہ تذکیر بھی یہ لفظ موجود ہے جیسا کہ متن میں آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب مولف نور اللغات و حافظ صاحب کے اس فقرے پر غور فرمایئے کہ برقؔ نے خلاف جمہور لکھا ہے۔ غور فرمایئے اوّل تو برقؔ کا شعر تانیث کے ثبوت میں ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو مندرجہ ذیل شعر اور بھی جو تانیث کے ثبوت میں ہیں۔ ایک شعر منیر شکوہ آبادی کا جو برقؔ کے استاد بھائی ہیں آپ نے متن میں ملاحظہ کیا دوسرا شعر آفتاب الدولہ قلقؔ کا ہے ؎

پہنچ سکتا نہیں پروانہ دل گرد پھرتا ہے
گلو بند آپ کا فانوس ہے کیا شمع گردن کی

یہ شعر ایسا ہے کہ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا اس کے بعد قدما میں یہ شعر میر حسن دہلوی کا ملاحظہ فرمایئے ؎

وہ فانوسیں آگے زمرد نگار
کہ ہو سبز مینا مجھول پہ نثار

اس کے سوا متاخرین میں مولانا آزاد دہلوی کا یہ شعر بھی دیکھنے کے قابل ہے ؎

پر نظر جب شہ انصاف نے ڈالی اپنی
اور وہیں ہاتھ میں فانوس سنبھالی اپنی

ان سب دلائل کے پیش کرنے کے بعد مجھے اس لفظ کے مختلف فیہ ہونے میں شبہ نہیں رہتا" آسیؔ۔

اس مثال سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا آسیؔ نے کس قدر تلاش و جستجو، تحقیق و تصدیق سے کام کیا ہے افسوس یہ گرانما خزینۂ ادب ابھی تک عوام الناس کی نظروں سے اوجھل ہے کیونکہ یہ کتاب جو اس قدر عرق ریزی اور جانفشانی سے تیار کی گئی ابھی تک منت کش طباعت ہے۔ اس گرانقدر کتاب کی اشاعت سے نہ صرف تذکیر و تانیث پر ایک مفصل اور مکمل کتاب تیار ہو جائے گی بلکہ اس میں جو مباحث ہیں ان کے منظر عام پر آنے سے تلاش و جستجو کی نئی راہیں کھلیں گی اور کیا عجب کہ بہت سے رائج اور مستند لوازم زبان یکسر غلط قرار پائیں۔

۱۲ انچ لمبے اور ۹ انچ چوڑے ۹۹۸ صفحات پر پھیلی ہوئی اس قلمی لغت میں ۱۵۳۱۱ الفاظ شامل ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے — ا — ۱۴۵۹، ب — ۱۳۰۰، پ — ۷۴۹، ت — ۹۵۰، ٹ — ۲۳۳، ث — ۴۴، ج — ۶۲۷، چ — ۴۷۹، ح — ۴۷۳، خ — ۴۲۱، د — ۷۵۳، ڈ — ۱۲۴، ذ — ۴۳، ر — ۵۱۹، ز — ۱۷۵، ژ — ۴، س — ۸۱۳، ش — ۳۷۹، ص — ۲۴۱، ض — ۴۵، ط — ۱۴۶، ظ — ۲۱، ع — ۲۸۴، غ — ۱۲۶، ف — ۳۳۷، ق — ۳۹۳، ک — ۱۰۴۰، گ — ۶۳۲، ل — ۳۸۶، م — ۱۰۹۴، ن — ۵۸۱، و — ۱۴۵، ہ — ۷۷۹، ی — ۷۴ الفاظ۔ پوری لغت مولانا آسیؔ کے قلم سے بہت ہی صاف اور خوشخط لکھی ہوئی ہے، حفاظت کے لئے اسے چرمی کور سے ملبس کر دیا گیا ہے۔ مولانا کی منکسر المزاجی دیکھئے کہ اس ضخیم بلکہ عظیم و ضخیم اور مکمل لغت کو انھوں نے لغت کا نام نہیں دیا ہے بلکہ اس کا نام "تذکرہ تذکیر و تانیث" رکھا ہے یہ مولانا آسیؔ کے خاندان میں متاع عزیز کے طور سے محفوظ ہے لیکن ظاہر ہی ہے کہ یہ زیادہ عرصے تک محفوظ نہ رہ سکے گی اگر یہ عرصے تک زیور اشاعت سے مرصع نہ ہوئی تو زمانے کے ناقدر ہاتھوں اس کی تباہی اس کا مقدر ہوگی بہرحال یہ ہمارے لئے ایک چیلنج ہے کون ہے جو اس کو شائع کرنے کا ذمہ لیتا ہے" نہ جانے کوئی اس کا جواب دے گا یا نہیں۔ بہرحال میں نے ایک نقیب کے فرائض انجام دے دئے۔

(صفحہ ۹ سے آگے)

ناگپور کے اس نا وقت سانحۂ ارتحال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

فیض انصاری اپنی اعلیٰ صلاحیتوں، انسانیت دوستی، خوش خلقی، سادگی اور منکسر المزاجی کے باعث ہر دلعزیز اور اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی فیض انجمن اشاعت اردو کے ذریعہ باوجود ایک کامیاب تاجر اردو زبان و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر آخر وقت تک اپنی زبان کی خدمت کرتے رہے وہ ایک بہترین صحافی اچھے لکھنے والے بلند ادبی ذوق کے حامل، اعلیٰ منتظم اور عملی انسان تھے۔

فیض انصاری کے انتقال سے علاقہ ودربھ میں تحریک اردو کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یہ جلسہ ان کے تمام پسماندگان کے غم میں شریک ہے۔

• عبدالمنان

مراسلات

"سید جالب دہلوی"

"سید جالب دہلوی" کے سلسلے میں دو ایک باتیں عرض دینا ضروری ہیں۔ ہماری زبان ۸ رمئی صلا کے مضمون کے سلسلے میں۔

۱۔ روزنامہ ہمدم ۱۹۱۷ء میں نہیں اس سے چار سال قبل اکتوبر ۱۹۱۳ء میں نکالا تھا۔

۲۔ اس کے بانی راجہ صاحب محمود آباد نہیں۔ مگر یہ (ضلع بارہ بنکی) کے رئیس آنریبل شیخ شاہد حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لاء تھے۔ کئی سال بعد راجہ صاحب نے ان سے خرید لیا تھا۔

۳۔ یعقوب خاں مرحوم کا تخلص کلام تھا۔ ان کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا تھا۔ مستقل تعلق غالباً رسالہ زمانہ (کانپور) سے تھا۔

۴۔ سانس کی تذکیر و تانیث کا اختلاف تو دہلی اور لکھنؤ کے درمیان کا اختلاف ہے۔ کوئی انفرادی اختلاف نہ تھا۔ لکھنؤ میں مونث ہے دہلی میں مذکر۔

۵۔ سید جالب مرحوم کا خاص امتیاز اندر تعلق پیسہ اخبار سے نہیں بلکہ مولانا محمد علی کے روزنامہ ہمدرد سے تھا۔ ہمدرد سے تعلق سید صاحب کا مختصری رہا۔ لیکن وہ مختصر مدت ان کے مرتبہ استناد و امتیاز کو بڑھا دینے کے لئے کافی تھی۔

۶۔ ہمدم سے مرحوم کی علیحدگی بڑے ہی افسوس ناک و تکلیف دہ حالات میں ہوئی۔ جن کی تشہیر سے اب ہرگز کسی بھلائی کی توقع نہیں۔

۷۔ سید صاحب کے مرض الموت کی یہ نوعیت (اس قدر شدید تعفن تھا کہ کوئی ان کے قریب نہیں بیٹھ سکتا تھا) میرے علم میں آج پہلی بار آئی ہے۔

دریاباد ضلع بارہ بنکی۔ • عبدالماجد

استفسار کے جواب میں

ہماری زبان کے یکم مئی کے شمارے میں جناب طاہر محسن نے بعض الفاظ سے متعلق استفسار کیا ہے۔ اسی سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ بم پھوٹنا۔ ہر ایک زبان میں کچھ الفاظ صوتی بنیاد پر وضع کئے جاتے ہیں۔ اردو میں بھی اس کی بیشمار مثالیں ملتی ہیں۔ کئی جانوروں اور پرندوں کی آوازوں کے لفظ اسی اصول پر بنے ہیں۔ بم پھوٹنا بھی اسی قبیل کا لفظ ہے۔ جب کوئی چیز کثرت یا زیادہ مقدار میں جمع ہونے لگے، تو کہا جانے لگا کہ اس کا تو بم پھوٹ پڑا گویا چشمہ ابل پڑا۔

۲۔ تجال۔ میرے خیال میں اس کا مادہ سنسکرت کا لفظ 'تیج' ہے جس کے معنی ہیں: روشنی، گرمی، نور وغیرہ۔ پس تجال = تجالیہ یعنی وہ جگہ جس میں گرمی اور روشنی ہو۔ رفتہ رفتہ اسے بھٹی (اور شاید تنور) کے لیے بھی استعمال کرنے لگے۔

۳۔ چلکارا۔ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔

۴۔ بلٹی۔ انگریزی = BILLAT ؛ فرانسیسی = BILLET (تلفظ بِ تی ے) اس کے معنی ٹکٹ وغیرہ کے بھی ہیں اور وہ بھی، جن میں یہ لفظ اردو میں مستعمل ہے یعنی اس سامان کی رسید جو جہاز یا ریل گاڑی سے بھیجا جائے۔

۵۔ خلفشار سے متعلق قبلہ سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھ ہی چکے ہیں (ہماری زبان، ۱۵ رمئی ۱۹۷۱ء)

۶۔ کالا۔ یہ لفظ عربی سے نہیں، بلکہ پنجابی سے آیا ہے۔ پنجابی میں یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اتفاق سے دونوں کسی حد تک ایک دوسرے سے متضاد ہیں:

(ا) بےچین، مضمحل۔ جب کوئی شخص اپنی علالت کے دوران میں سخت بےچینی اور گھبراہٹ محسوس کرے، خاص طور پر شدید بخار کی گرمی کے باعث، بلکہ اسے سانس لینے میں بھی دقت محسوس ہو، تو کہتے ہیں: آج وہ بہت کالا ہے (تلفظ: کَ ہْ لَ ا) مثال ملاحظہ ہو۔

۱۔ شاہزادوں نے کہا! اے اسما! کبھو دیکھا ہے تو نے کہ ہم ماں کے کھائے ہوں؟ اسما نے کہا: ماں کا جیو کالا ہے تم نوش کرو۔ (کربل کتھا: ۷۶)

یہ مقام وہ ہے، جب حضرت فاطمہ بہت بیمار ہیں، بلکہ بعد کو اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے خادمہ کو حکم دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم بچوں کو کھانا کھلا دو۔ اس پر یہ محولۂ فوق گفتگو ہوئی۔

کاشفی نے روضۃ الشہدا میں جو جملہ لکھا تھا اور جسے فضلی نے "ماں کا جیو کالا ہے" سے تعبیر کیا ہے وہ یہ تھا: مادر شما اندک ملالے دارد۔ بالکل یہی مفہوم پنجابی میں کالا کا ہے اور اسی معنی میں فضلی نے اسے استعمال کیا ہے۔ اس سے کالا کے معنوں کی بھی تعیین ہو گئی۔

(ب) مولوی پروفیسر مسعود حسن رضوی نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں میر حسن کا یہ شعر بھی ہے:

کالا سن کر مجھے آئے، پہ چپ بیٹھے رہے
کچھ سننے کو ذرا بیمار داری کر گئے

یہاں بھی یہ لفظ انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ معلوم نہیں اسے ہرن سے مخصوص کرنے کے لیے کیا قرینہ ہے! یہ ہر ایک کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔

۲۔ پنجابی میں اس کے دوسرے معنی ہیں۔ تند و تیز، پھرتی والا، عجلت سے کام کرنے والا۔ کسی پنجابی شاعر کا مصرعہ ہے۔

ناکرمیاں! کاہلیاں، توں باجھ لگام ناڈگ

(ترجمہ: میاں! بہت پھرتی اور تیزی نہ دکھاؤ، اور سرپٹ نہ بھاگو) ان مصرعوں میں اس سے یہ لفظ بنائے گئے ہیں۔

کاہلا: تیز (مذکر)؛ کاہلی: تیز (مونث)؛ کاہلے (جمع)

کاہلی: تیزی؛ کاہلیاں (جمع)۔ بعض لوگوں کی زبان پر کاہل پن (بمعنی تیزی) بھی ہے۔

دہلی • مالک رام

یہ سلسلہ اب ختم کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

کچھ انیس کی صد سالہ برسی کے متعلق

ہماری زبان مورخہ یکم مئی ۱۹۷۱ء کے شمارہ میں خدائے سخن میر انیس کی صد سالہ برسی کے سلسلہ میں جناب گیان چند (جموں) کا مراسلہ نظر سے گذرا نیز ایک دوسرا مراسلہ بھی اسی شمارہ میں نظر آیا جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ انیس کی صد سالہ برسی لکھنؤ میں اسی سال دسمبر ۱۹۷۱ء میں منائی جا رہی ہے اور کل ہند پیمانے پر یہ صد سالہ جشن ۱۹۷۴ء میں (جبکہ عیسوی سال کے حساب سے انیس کی وفات کو سو سال ہوتے ہیں) منایا جائے گا ہمیں یہ تفریق و تقسیم پسند نہیں آئی۔

جیسا کہ جناب گیان چند نے تحریر فرمایا ہے مناسب بلکہ انسب بھی ہے کہ یہ صد سالہ یادگار ایک ہی مرتبہ عیسوی سن کے حساب سے ۱۹۷۴ء میں کل ہند پیمانے پر منائی جائے تاکہ میر انیس مرحوم کے مقام و منصب سے شایان شان ہو سکے۔ یہ کچھ عجیب سی بات ہے کہ اہل لکھنؤ ہجری سال کے اعتبار سے صد سالہ برسی منائیں اور دوسرے لوگ عیسوی سال کو اپنائیں اور اگر کوئی اور جماعت فصلی اور بنگالی یا بکری وغیرہ کلنڈروں کا حساب لگانا شروع کر دے تو یہ کچھ عجیب سی بات ہوگی۔

دراصل سارے ملک میں ایک ہی سال انیس کی ادبی خدمات کے شایان شان صد سالہ تقریبات منانا بہتر ہوگا اور یہ عیسوی کلنڈر کے اعتبار سے ہی منانا مناسب ہے اس طرح کچھ اور وقت مل جائے گا اور انیس پر خاطر خواہ کام بھی ہو سکے گا۔

اسی سلسلہ میں کوئی یادگار تالیف مستند و محترم اہل قلم اور ارباب علم و دانش کی جماعت کی طرف سے انتہائی ضروری ہے ہمیں یقین ہے کہ محترم جناب سید مسعود حسن رضوی، جناب مالک رام اور جناب علی جواد زیدی جیسے دانشور حضرات اس طرف خود متوجہ ہوں گے۔

پٹنہ • وفا ملک پوری

ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں

کیا قارئین ہماری زبان میں سے کوئی صاحب یہ بتانے کی زحمت فرمائیں گے کہ اس آوارہ گرد مصرعہ کا مصرعہ اولیٰ کیا ہے اور اس کا مصنف کون ہے۔

ناگپور • محمد عبد الحلیم

بیاں یزدانی کی تصانیف

مجھے حضرت بیاں یزدانی میرٹھی کی مندرجہ ذیل مطبوعہ تصانیف کی ضرورت ہے۔

(۱) مجموعہ عطر نعت
(۲) پانچ ہند (پہلا ایڈیشن)
(۳) خواص خمسہ
(۴) ایشیائی شاعری کی اوداع المعروف رخصت عروس۔
(۵) پنجہ فولاد۔
(۶) یادگار یزدانی

اگر کسی صاحب کے پاس ان میں سے کوئی کتاب ہو اور وہ قیمتاً یا عاریتاً عنایت کر سکیں تو از راہ نوازش مطلع فرمائیں۔

ناگپور۔ • محمد عبد الحلیم

انجمن کی خبریں

اردو کو دفعہ ۳۴۷ کے تحت سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے

کانپور۔ یہاں ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ نے ایک تجویز کے ذریعہ مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کو دفعہ ۳۴۷ کے تحت سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔

ریاستی انجمن نے مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے بھی درخواست کی ہے کہ ۱۹۷۵ء میں صدر جمہوریہ ہند کو پیش کی گئی یادداشت پر توجہ دلانے کے لئے ایک وفد کی تشکیل کرے جو صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم سے ملاقات کر کے یادداشت پر عمل درآمد کے لئے زور دے۔

ریاستی انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ انجمن کی نائب صدر بیگم سلطانہ حیات کی صدارت میں "بشیر اسٹیٹ" کانپور میں ہوا جس میں انجمن کے ممبروں کے علاوہ جناب سلطان عالم خاں ایم ایل سی اور نواب اختر حسین ایڈوکیٹ صدر محافظ دستہ اور جناب محمد صدیق ایڈوکیٹ سکریٹری کانگرس اقلیتی مورچہ یوپی نے شرکت کی۔

ایک دوسری تجویز میں کہا گیا ہے کہ حکومت اتر پردیش نے اردو کو جو مراعات دی ہیں ان پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے اور پرائمری سطح سے ثانوی درجات اور یونیورسٹی تک اردو پڑھنے والے طلبہ کی دشواریوں کے پیش نظر ریاستی انجمن کی مجلس عاملہ کے رکن جناب ریاض الدین احمد پرنسپل حمیدیہ اسلامیہ کالج الہ آباد کی مرتب کردہ تجاویز کی روشنی میں بیگم سلطانہ حیات کی کنوینر شپ میں ایک کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا جو اس مسئلہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے حکومت یوپی کے پاس وفد لے جائے۔

لکھنؤ میں "اردو ہال" کی تعمیر کے منصوبہ پر غور کیا گیا اور قاضی مختار احمد کانپور کو اس کا مجاز کیا گیا کہ وہ اردو ہال کا خاکہ اور بجٹ مرتب کریں اور پھر اہل خیر کی امداد کے ساتھ حکومت اتر پردیش سے بھی گرانٹ کی درخواست کی جائے۔

گزشتہ مردم شماری میں باوجود حکومت کے اعلانات اور ڈائرکٹر مردم شماری کے احکامات کے اکثر مقامات پر صحیح اندراجات نہیں کئے گئے اور اردو کو بحیثیت مادری زبان خانہ ۱۳ میں درج کرنے میں مردم شماری عملہ نے دھاندلی سے کام لیا اور بہت سی شکایتیں انجمن کے دفتر کو آئی ہیں جن کے ازالہ کی سعی کی جا رہی ہے لیکن مردم شماری کے سلسلہ میں بیگم سلطانہ حیات انچارج کل ہند مردم شماری انجمن ترقی اردو (ہند) نے وسائل کی سخت کمی کے باوجود جس محنت اور تندہی سے مردم شماری کے سلسلہ کے کاموں کو انجام دیا ہے اس پر انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے جلسہ نے بیگم صاحبہ کو مبارکباد دی۔

ریاستی انجمن کی جدید شاخیں قائم کرنے اور پرانی شاخوں کو فعال بنانے کے لئے ممبر سازی مہم چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لئے انجمن کے جنرل سکریٹری جناب راحت علی خاں ایک گشتی جاری کریں گے۔

• قومی آواز

بھینسہ میں انجمن ترقی اردو کا قیام

بھینسہ (ضلع عادل آباد)۔ چیرمین بلدیہ جناب عبد الجبار کے مکان پر جناب سرینواس فاسوٹی معتمد تنظیمی انجمن ترقی اردو کی زیر صدارت منعقدہ جلسہ میں انجمن ترقی اردو شاخ بھینسہ کا قیام عمل میں آیا جس کے حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے۔ صدر جناب ڈاکٹر محمد لطیف الدین، نائب صدر جناب نعیم داؤد کدم ایڈوکیٹ، معتمد برہان الدین صدیقی، معتمدین تنظیم شبیر احمد اقبال احمد صدیقی۔ اراکین عبد الحفیظ خاں ایڈوکیٹ۔ خواجہ محمد ابراہیم، قاضی عبد العزیز، عبد الماجد اور داحد خاں۔

• رہنمائے دکن

نرمل میں شاخ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا قیام

اردو کے ہمدردوں کا ایک جلسہ جناب مولوی محمد برہان الدین صاحب ایڈوکیٹ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں جناب سرینواس لاہوٹی معتمد تنظیمی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے بھی شرکت کی مباحث کے بعد ایک اڈہاک کمیٹی ترتیب دی گئی اور اس کو مجاز گردانا گیا کہ فوری طور پر رکنیت سازی کی مہم شروع کرائے تاکہ انتخابات عمل میں لائے جاکر انجمن کی شاخ کا قیام عمل میں آسکے۔

• نامہ نگار

فیض انصاری کی وفات پر تعزیتی جلسہ

"عنایت منزل" میں انجمن ترقی اردو (ہند) بالاپور کا ایک غیر معمولی جلسہ تعزیت زیر صدارت جناب مولانا ہادی نقشبندی صدر ودربھا انجمن ترقی اردو (ہند) منعقد ہوا جس میں یوسف عباد اللہ فیض انصاری مرحوم کی اچانک وفات پر اظہار افسوس کیا گیا اور جناب صدر نے حسب ذیل تجویز تعزیت پیش فرمائی۔

انجمن ترقی اردو (ہند) بالاپور کا یہ غیر معمولی جلسہ فیض انصاری مرحوم سابق جنرل سکریٹری ودربھا انجمن ترقی اردو (ہند) مدیر مسئول رسالہ "خیال" کامٹی و بچوں کا ماہواری رسالہ "چاند"

(باقی صفحہ ۲ پر)

اخبار و اذکار

اردو کے لئے دستوری حقوق کا مطالبہ

مجلس عاملہ جمیعۃ العلمائے اترپردیش نے ۱۹ اپریل کو میرٹھ کے جلسہ میں اردو کے لئے حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

مجلس عاملہ جمیعۃ علماء اترپردیش اس صورت حال کو تشویش کی نظر سے دیکھتی ہے کہ اردو زبان کو دستوری طور سے علاقائی زبان تسلیم کرنے کے باوجود ۲۳ برس تک اس کے علاقوں کا اعلان نہیں کیا گیا۔

اس کی وجہ سے ملک کا یہ لسانی طبقہ اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہو رہا ہے اور اس لسانی فرقہ کا وجود اس کی ذہانت اس کی نشو و نما مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔

مجلس عاملہ محسوس کرتی ہے کہ لسانی فرقہ کو ۲۳ سال تک انصاف سے محروم رکھنا اور اس سے امتیازی سلوک کرنا ملک کی جمہوریت اور سیکولرازم کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے اور اس سے سرکاری سطح پر فرقہ واریت کو بڑھاوا ملتا ہے۔

لہٰذا مجلس عاملہ کا اجلاس حکومت ہند اور اترپردیش سرکار سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اردو زبان کو اس کے دستوری حقوق دینے کے لئے جلد از جلد آئینی کارروائی کرے۔ اور جس جس علاقہ میں اردو میڈیم پرائمری اسکولوں کی تعداد ایک سو ہو وہاں اردو جونیئر اسکول کھولے جائیں نیز موجودہ ہائی اسکولوں انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کالجوں میں اردو اساتذہ کا تقرر کیا جائے اور جس ضلع میں دو سو اردو میڈیم پرائمری اسکول ہوں اس ضلع میں اردو اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈگری کلاسز کے بندوبست کئے جائیں ان کی ٹریننگ کا بھی انتظام کیا جائے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک مستقل ایس۔ ڈی۔ آئی کا تقرر کیا جائے جو اردو کی کا حقہٗ واقفیت رکھتا ہو مجلس عاملہ جمیعۃ علماء اترپردیش ریاست میں ایک اردو بورڈ کے قیام کا بھی مطالبہ کرتی ہے جو ریاستی سرکار کو وقتاً فوقتاً مشورہ دیتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں ریاستی سرکار کو عملی اقدامات میں سہولت حاصل ہو سکے۔

• الجمعیۃ

بجنور میں اردو کی حالت زار

بجنور میونسپل بورڈ کے پرائمری اسکولوں کے لئے سنٹرل گورنمنٹ کی اسکیم "اردو کو ترقی دو" کے تحت ۱۳ ٹیچرس کا چناؤ مئی ۱۹۷۰ء میں کیا گیا تھا۔ لیکن ڈائرکٹر صاحب کی تاکید کے باوجود اگست سے نومبر تک ان اردو ٹیچرس کو تنخواہیں نہیں دی گئیں۔ شہر کے معزز حضرات اور اردو ٹیچرس ہم راہ میں کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ جن اسکولوں میں اردو پڑھنے والے بچے تھے ان کے ماتحت ہیں وہاں بھی اردو ٹیچروں کو نوٹس دیدیا گیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے اس پر اظہار افسوس کیا اور فرمایا کہ انکوائری کرائی جائے گی اور ان ٹیچروں کو بحال کیا جائے گا۔

انکوائری مکمل ہو چکی لیکن اردو ٹیچرس ابھی تک بحال نہیں ہو سکے۔ جبکہ ایک ماہ سے زائد گذر چکا۔ بچوں کی تعلیم کا ناقابل تلافی نقصان برابر ہو رہا ہے بچوں کے والدین سخت پریشان ہیں کہ اسکولوں میں اردو پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں، بچے اسکول جاتے ہیں اور مایوس لوٹ آتے ہیں۔

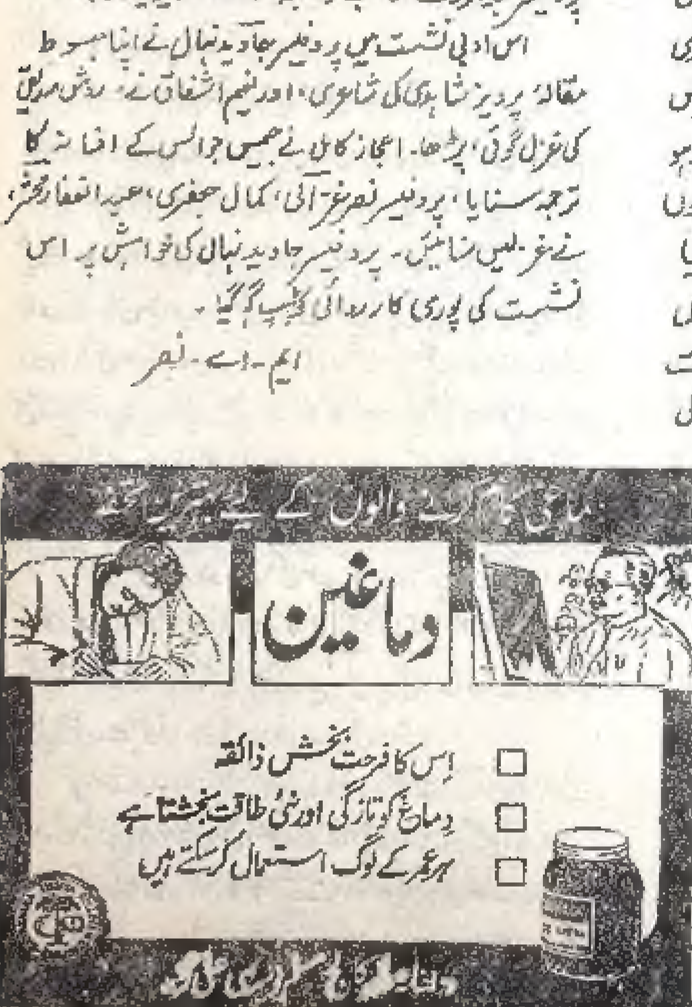
• مدینہ

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کلکتہ کی ادبی نشست

پروفیسر جاوید نہال صاحب کے مکان پر اردو رائٹرس ایسوسی ایشن (کلکتہ) کی ماہانہ ادبی نشست ہوئی جس کی صدارت پروفیسر عبدالرؤف صاحب (شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسٹی) نے کی۔

اس ادبی نشست میں پروفیسر جاوید نہال نے اپنا مبسوط مقالہ "پرویز شاہدی کی شاعری"، اور نسیم اشتفاق نے "روشن صدیقی کی غزل گوئی" پڑھا۔ اعجاز کابل نے جیمس جوائس کے افسانہ کا ترجمہ سنایا، پروفیسر نصر غزالی، کمال جعفری، عبدالغفار تحفر نے غزلیں سنائیں۔ پروفیسر جاوید نہال کی خواہش پر اس نشست کی پوری کارروائی کو ٹیپ کر لیا گیا۔

ایم۔ اے۔ نصر



البتہ اعلیٰ سطح پر ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے ہر یونیورسٹی میں ایک شعبہ موجود ہے۔ مجھے جہاں تک اندازہ ہے اس وقت ایم۔ اے کے طلبہ کی تعلیم اس انداز پر ہو رہی ہے کہ گویا یہ طلبہ بھی آئندہ چل کر اردو کے معلم و مدرس بننے والے ہیں اور پی۔ ایچ۔ ڈی میں بھی زیادہ تر زور مخطوطات و نوادر کی ترتیب و تالیف یا تاریخ ادب سے متعلق خام مواد کی فراہمی پر ہے۔ اس طور پر اردو کے طلبہ اور معلمین آہستہ آہستہ کلاسیکل زبانوں کے طلبہ اور معلمین کے ہم مزاج ہوتے جا رہے ہیں۔"

"اس بات کا کوئی اور ثبوت پیش کیجئے؟"

"اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اردو کے معلمین عام طور پر گوشہ نشین محقق ہونے کو اپنے لئے باعث امتیاز سمجھتے ہیں اور اسی پر ان کی ترقی کا بھی دارومدار ہے۔ ملک کی سماجی و تہذیبی زندگی سے وہ دور ہی رہتے ہیں اور نو وارد زندہ اور ہم عصر ادیب سے نہ صرف یہ کہ وہ واقف نہیں ہوتے بلکہ اس کے نام سے انھیں ایک طرح کی کد ہوتی ہے۔ کسی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو وہ زیادہ تر مخطوطات و نوادر کی بات کرے گا۔ اگر آپ نے موجودہ دور کی شاعری یا ناول و افسانہ کی بات چھیڑ دی تو وہ ناک بھوں چڑھائے گا اور بڑی حقارت سے کہے گا کہ آج کا ادب خرافات کا پلندہ ہے، آج کے ادیب بکواس کر رہے ہیں، زبان کو خراب کر رہے ہیں، آج کا ادب انحطاط پذیر ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ تفصیل میں جانا چاہیں اور یہ معلوم کرنا چاہیں کہ کس مخصوص کتاب، کس مخصوص نظم یا غزل یا کس ناول اور افسانہ کو پڑھ کر اس نے یہ رائے قائم کی ہے تو وہ اس کا جواب دینے سے کترائے گا اور آپ سے خفا ہو جائے گا۔ اگرچہ اردو کے سبھی اساتذہ اور معلمین ایسے نہیں ہیں، اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اردو کے معلم یا متعلم ہوتے ہوئے بھی زندہ اور ہم عصر ادب سے نہ صرف یہ کہ دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ خود بھی کوئی نہ کوئی تخلیقی یا تنقیدی کام ایسا کرتے ہیں جس کا تعلق آج کی تہذیبی و ذہنی زندگی سے ہے مگر ایسے لوگوں کی تعداد اب آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے اور ایسا معلم یا متعلم زیادہ نظر آنے لگا ہے جو صرف میر و غالب کا نام لیتا ہے اور آج کے ادب پر لعنت بھیجتا ہے یا اس سے کوئی تعلق نہیں محسوس کرتا، اسی لئے میں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ اردو اب کلاسیکل زبان کے دائرے میں تو نہیں آگئی ہے!۔ کم از کم تعلیم و تدریس کے ماحول میں ایسا ہی نظر آتا ہے۔ اردو کے ایک معلم کچھ دنوں پہلے اس بات پر برہم تھے کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں جدید شاعری کا نصاب پڑھانے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اس میں ایسے شعراء کا کلام زیر بحث آئے گا جن کی حیثیت ان کی نظر میں مشکوک ہے۔ کہنے لگے کہ جب تک کسی ادیب یا شاعر کی وفات کو پچاس سال نہ گزر جائیں اس ادیب کو نصاب میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔"

"گویا ان کے حساب سے اقبال، جوش، ابوالکلام آزاد، پریم چند وغیرہ کو داخل نصاب کرکے بھی ہم نے غلطی کی ہے۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں جناب؟"

باقی صفحہ ۵ سے آگے

کئی بار یہ تسلیم کیا کہ اردو دوستوں کی بجا طور پر شکایات ہیں اور انھیں دور ہونا چاہئے۔ اب جبکہ نئی کانگریس کو لوک سبھا میں بھاری اکثریت حاصل ہو گئی ہے، ہم یہ بجا طور پر توقع کر سکتے ہیں کہ اردو کے ساتھ بے انصافی کو دور کرنے کے لئے جلد سے جلد مناسب اقدامات کئے جائیں گے۔ ہماری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس سلسلے میں مرکز کی طرف سے یا ریاستی حکومتوں کی طرف سے کوئی دفتری اعلان کافی نہ ہوگا بلکہ مرکزی حکومت کو صدر جمہوریہ کو یہ مشورہ دینا چاہئے کہ وہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اتر پردیش، بہار، آندھرا، میسور اور مہاراشٹر میں جہاں اردو بولنے والوں کی آبادی ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق بیس لاکھ سے زیادہ ہے اور مرکزی علاقہ دہلی میں جو اردو کی جنم بھومی ہے اردو کو سرکاری زبان قرار دیں۔ اس کے علاوہ ان تمام ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے اردو کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم اور سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اس کے استعمال کے سلسلے میں سہولتیں دیں۔ اس مقصد کے لئے مجلس عام کی حسب ذیل افراد کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے جو صدر کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک مفصل میمورنڈم تیار کرے اور اس میں تمام ضروری اعداد و شمار درج کرے۔

صدر - آنند نرائن ملا، خواجہ غلام السیدین، حیات اللہ انصاری، شہاب الدین دسنوی، مولوی حبیب الرحمٰن، پروفیسر اختر اورینوی، حمیدہ سلطان، جنرل سکریٹری۔

یہ مسودہ مجلس عام کے ایک خاص جلسے میں پیش ہو اور اس کے بعد انگریزی، اردو اور ہندی میں طبع کرایا جائے۔

مجلس عام یہ بھی طے کرتی ہے کہ انجمن کی اس یادداشت کو لے کر مجلس کے تمام منتخب صاحبان حضرات کے جن کا اضافہ صدر انجمن ضروری سمجھیں، صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم سے ملیں اور ان پر زور دیں کہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت صدر کی طرف سے احکام جلد سے جلد جاری کئے جائیں۔ مسودہ تیار کرنے والی کمیٹی کا جلسہ جولائی کے شروع میں ہو جانا چاہئے اور مجلس عاملہ وسط جولائی تک اس پر غور کرکے اسے منظور کرے تاکہ اس کے بعد جلد سے جلد انجمن کی مجلس عام کا وفد صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم سے مل سکے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی

میرا صفحہ

"اردو ایک کلاسیکل لینگویج ہے یا ماڈرن؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بلاشبہ اردو ایک ماڈرن لینگویج ہے۔"

"پھر کلاسیکل کے دائرے میں کون سی زبانیں آتی ہیں؟"

"یہی عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ"

"کلاسیکل زبانوں کی تعلیم و تدریس ہماری یونیورسٹیوں میں کس انداز سے ہوتی ہے۔"

"تمام یونیورسٹیوں میں اس کے شعبے موجود ہیں۔ آزادی سے پہلے بھی تھے اور آزادی کے بعد بھی ہیں۔ ان زبانوں سے دلچسپی رکھنے والے مخصوص مزاج کے لوگ ہوتے ہیں اور ان کی تعداد بہت محدود ہوتی ہے۔ ان زبانوں کے طالب علم قدیم اور مستند ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں پر مشتمل ایک مقررہ نصاب پڑھتے ہیں۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد اپنے استاد کی رہنمائی میں کسی نادر اور کمیاب مخطوطے کی ترتیب و تالیف کا کام کرتے ہیں اور اسی پر انھیں عام طور پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے۔"

"کیا ان زبانوں کو پڑھنے والے طلبہ یا انھیں پڑھانے والے اساتذہ ان زبانوں میں کوئی تخلیقی کام بھی کرتے ہیں مثلاً ان زبانوں میں شاعری، افسانہ، ناول، ڈرامہ، انشائیہ یا اس نوع کی کسی صنف میں اپنا کارنامہ پیش کرنے کی ان میں اہلیت ہوتی ہے۔"

"جی نہیں، اس طرح کا کام یہ حضرات نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ان کی مادری زبانیں نہیں ہوتیں۔ یہ ان زبانوں کی تحصیل ایک غیر زبان کی طرح کرتے ہیں، چونکہ ان زبانوں کا ہمارے ملک میں چلن نہیں اور عام انسانوں کے لئے یہ ذریعۂ اظہار کا کام نہیں دیتیں اس لئے ہمارے ملک کے لئے ان کی حیثیت زندہ زبان کی نہیں۔ تخلیقی اظہار صرف زندہ اور متحرک زبان سے اپنا کلی رابطہ قائم کرنے پر ہی ممکن ہے۔ تخلیقی اظہار صرف مادری زبان میں ممکن ہے اور مادری زبان کا تعلق ہمارے مخصوص مزاج، افتادِ طبع اور ہماری ذہنی و نفسیاتی ضرورتوں سے ہوتا ہے۔"

"کلاسیکل زبانوں کے اساتذہ اور معلمین کے کیا مشاغل ہوتے ہیں؟"

"عام طور پر یہ عالم و فاضل قسم کے لوگ ہوتے ہیں یہ نادر و نایاب کتابوں کی تلاش اور گمنام و غیر معروف شعرا اور ادیبوں کی تصانیف کے متعلق تحقیق و جستجو میں مصروف رہتے ہیں اور ان سے متعلق اپنے مضامین شائع کرتے ہیں کوئی اورینٹل کانفرنس ہوتی ہے تو اس میں اپنے اسی نوع کے مقالات پیش کرتے ہیں۔"

"اپنے ملک کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی زندگی میں ان کا کیا رول ہوتا ہے؟"

"عموماً یہ لوگ گوشہ نشین ہوتے ہیں اور تحقیق و تالیف سے ہی سروکار رکھتے ہیں، نئی زندگی کی تشکیل و تعمیر کے مسائل سے ان کی دلچسپی کم ہی ہوتی ہے۔"

"مگر ہمارے ملک میں آزادی کے بعد رفتہ رفتہ اردو زبان کی تعلیم و تدریس جس نہج پر جا رہی ہے اسے دیکھ کر بعض شبہات دل میں پیدا ہوتے ہیں آزادی سے پہلے انگریزوں کی حکومت تھی اور انگریزی زبان کو ایک خاص فوقیت حاصل تھی لیکن اردو زبان کی ابتدائی تعلیم کا بھی معقول انتظام تھا۔ ہم ملازمت اور نوکری حاصل کرنے کے لئے انگریزی زبان کی تحصیل پر محنت کرتے تھے مگر اردو کو ہی اپنا اصل ذریعۂ اظہار سمجھتے تھے ہائی اسکول تک اردو زبان پر اتنی قدرت ہو جاتی تھی کہ وہ ادبی اور تخلیقی کاموں کے لئے کافی ہوتی تھی۔ منٹو، میراجی، بیدی اور اس طرح کے کتنے اعلیٰ درجے کے ادیب ہیں جو بی۔ اے تک بھی تعلیم حاصل نہ کر پائے۔ اس زمانے میں کم ہی ادیب ایسے ہوں گے جو اردو کے ایم۔ اے یا پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہوں۔ انگریزی ادب کے معلمین اردو کے اچھے ادیب ہوتے تھے میراجی، کلیم الدین، پطرس وغیرہ سامنے کے نام ہیں۔ یعنی اردو کی ابتدائی اور بنیادی تعلیم اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ لکھنے والا اس زبان پر پورے طور سے قادر ہو جاتا تھا، مگر اب صورت حال یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں۔"

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تصدق حسین ایم اے نے نعیمی پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔

REGD. NO. L. 922 فون نمبر ۲۹ R-NO. 2196/57